P. O. RGD. No. A 922

ہماری زبان

انجمن ترقی اُردو (ہند) علیگڈھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے | سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۰ | یکم جولائی سنہ ۱۹۵۱ء | ایڈیٹر۔ قاضی عبدالغفار | ۵ رمضان المبارک ۱۳۷۰ ہجری | نمبر ۲۷

کچھ اپنی باتیں

اردو کی اہمیت، ضرورت، اور اسکے مستقبل کے متعلق ملک کے مشہور سکھ انشا پرداز اور ماہنامہ "رہنمائے تعلیم" دہلی کے مدیر ماسٹر جگت سنگھ صاحب نے ۲۰ مئی سنہ ۱۹۵۱ء کو بہار ریاستی اردو کانفرنس پٹنہ میں جو تقریر فرمائی، اسکا ضروری خلاصہ آپ کے سامنے ہے۔

اس خلاصہ سے آپ کو یہہ بھی اندازہ ہو جائے گا کہ ہندو اور سکھ ادیبوں نے اردو کی کس طرح خدمات انجام دی ہیں اور آج کس طرح خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اسکے بعد یہہ کہنا کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ "م"

اس روشن اور نمایاں حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ بھارت میں جو مختلف زبانیں رائج اور جاری ہیں ان میں اردو کو ایک مستقل درجہ حاصل ہے وہ بھارت نواسیوں کی بین الاقوامی اور مشترکہ زبان ہے۔ نہ صرف آج سے بلکہ صدیوں سے یہ کہنا کہ وہ صرف مسلمانوں کی زبان ہے اور ہندوؤں سکھوں کو اس سے کوئی لگاؤ اور واسطہ نہیں تاریخ اور واقعات سے صاف انکار کرنا ہے۔

جن صاحبان نے اردو زبان کی تاریخ پر غور کیا ہے اور اردو لٹریچر کا گہری نظر سے مطالعہ فرمایا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے عروج کے زمانے میں اور اس عہد میں جبکہ ان کی سلطنت سارے بھارت پر چھا رہی تھی۔ سب جگہ عام رواج فارسی زبان کا تھا یہی وجہ تھی کہ ہندوستان کے باشندوں کی ایک طبقہ نے بڑے شوق اور محبت سے فارسی زبان کو سیکھا اور وہ اسے اپنے گھروں میں استعمال کرنے لگے انہوں نے دربار میں رسائی حاصل کی بڑے بڑے منصب حاصل کئے گویا مسلمانوں سے انکی زبان سیکھی اور انھیں اپنی زبان سکھائی ظاہر ہے کہ اردو زبان کے جنم داتا ہندو تھے۔ انگریزوں کے زمانے میں انگریزی کا رواج تھا۔ اردو بے شک موجود تھی اور موجود رہی مگر اس کو کوئی خاص حیثیت اور خاص شان حاصل نہ تھی۔ اور فارسی کے سامنے جو سرکاری زبان تھی اس کا چراغ نہ جل سکا۔ بے شک اردو میں شعر کہے جاتے

تھے اور کتابیں لکھی جاتی تھیں خال خال ترجمے بھی ہوئے تھے۔ مگر اردو کی وہ کثرت اور بہتات ہرگز نہ تھی۔ جو آج ہم اپنے زمانے میں دیکھ رہے ہیں۔

دراصل اردو کی اصل ترقی اور عروج کا زمانہ اس وقت سے شروع ہوا جب بھارت میں مسلمانوں کی سلطنت کو زوال آیا۔ اور ایک ایک کرکے اُن کی چھوٹی بڑی ساری سلطنتیں اور حکومتیں انگریزوں کے قبضے اور اختیار میں چلی گئیں۔

فارسی اُس وقت حکومت کے چلے جانے کی وجہ سے اپنا اقتدار کھو چکی تھی۔ اور انگریزی کو اپنے ابتدائی دور کی وجہ سے وہ اقتدار حاصل نہ ہوا تھا کہ وہ پورے ملک کی زبان بن سکتی اس وقت ضرورت تھی ایک زبان کی جس کو بھارت نواسی استعمال کریں۔ ہندو مسلمان دونوں یہاں کی قومیں تھیں۔ نہ مسلمانوں نے یہاں آکر باہر جانا چاہا نہ ہندوؤں نے اُن کو غیر سمجھا۔ بلکہ بڑے پریم اور محبت سے دونوں قومیں بھارت میں رہتی تھیں اور اسی کو اپنا وطن سمجھتی تھیں۔ جب فارسی کے بعد ملک کے لئے ایک زبان کا سوال پیدا ہوا تو ہندو مسلمان دونوں نے اردو کو اس کے لئے منتخب کیا کیونکہ اس وقت کسی اور زبان میں اتنی صلاحیت نہ تھی کہ وہ ملک کی مشترکہ زبان بن سکتی۔ حکومت کی طاقت اردو کے ساتھ قطعاً نہ تھی جو یہ کہا جائے کہ زبردستی یا لالچ یا رعب کی وجہ سے ہندوؤں نے مجبوراً اردو کو اپنایا۔ صاف اور کھلی ہوئی بات ہے کہ محض اپنے شوق اور اپنے چاؤ سے بغیر کسی دباؤ کے ہندوؤں نے اردو کو بڑھائے، وسعت دینے پھیلانے اور اشاعت کرنے میں اتنی زبردست کوشش اور سعی کی جس کی نظیر لسانیات کی تاریخ میں ہمیں ہرگز نظر نہیں آتی اردو زبان کی جو بھی تاریخ آپ اٹھا کر دیکھ لیں بلا مبالغہ اول سے آخر تک ہندو مصنفین ہندو مؤلفین، ہندو ادیبوں ہندو انشاپردازوں اور ہندو شاعروں سے بھری ہوئی پائیں گے سینکڑوں نہیں ہزاروں معرکۃ الآرا کتابیں ہندوؤں نے اردو میں ایسی لکھیں کہ مسلمان ویسی نہیں لکھ سکے مختلف اصناف سخن میں اردو کی جیسی بیش بہا خدمت ہندو ادیبوں نے کی مسلمان وہاں تک نہیں پہونچ سکے ذرا مجھے بتائیے کہ آج مسلمانوں میں بڑے بڑے فسانہ نگار موجود ہیں مگر منشی پریم چند سے کون بڑھ سکا؟ مسلمان انشاپردازوں نے بڑے بڑے دلچسپ ناول لکھے ہیں لیکن جناب رتن ناتھ سرشار کے فسانہ آزاد کا کون مقابلہ کرسکا اردو کی خدمت و اشاعت کے لئے مسلمانوں نے بہت سے ماہوار رسالے جاری کئے مگر منشی دیا نرائن کے رسالہ "زمانہ" سے کون بازی لے جاسکا۔ اسلامی لٹریچر کی توسیع کے لئے مسلمانوں نے بڑے بڑے مطبعے قایم کئے مگر مطبع نول کشور سے زیادہ کون مشہور ہوا؟ مسلمانوں نے بڑے بڑے اخبار نکالے مگر اخبار "عام" اور اردو اخبار سے زیادہ کسے دیرپا قبولیت حاصل ہوئی جب لاہور سے ہندوؤں کے روزانہ اخبارات نکلتے تھے تو مسلمانوں کے اخبارات کے مقابلہ میں کس کی تعداد اشاعت زیادہ نہ ہوتی تھی؟

یہ چند حقیقتیں ہیں جن کو ہرگز جھٹلایا نہیں جاسکتا سوائے اس کے کہ انصاف کو دھکے دیکر باہر نکال دیا جائے اور دھکیلتے دھکیلتے بھارت ساگر میں ڈبو دیا جائے۔ مجھے بتلائیے کہ اس ابتدائی زمانہ میں جبکہ مسلمان سے زیادہ اور بہت زیادہ ہندوؤں نے اردو زبان کو ترقی دی تو کیا انہوں نے یہ سمجھ کر آپسے اپنے ہاتھوں میں لیا کہ اگرچہ یہ مسلمانوں کی زبان ہے مگر لاؤ اُن پر احسان رکھ کر ہم اس کی اشاعت اور ترقی میں انکی مدد کردیں نہیں ہرگز نہیں اور نہ کبھی ایسا ہوا ہے حقیقتاً

واقعہ یہہ ہے کہ ہندوؤں نے ہر گز یہہ نہ سمجھا کہ یہہ خالص مسلمانوں کی زبان ہے بلکہ حق الیقین کے ساتھہ انہوں نے یہی سمجھا کہ یہہ ہم دونوں کی مشترک زبان ہے اور ہم دونوں کا فرض ہے کہ اسے ترقی دیں اس حقیقت کو سمجھتے ہوئے انہوں نے اردو کی ترقی و ترویج میں وہ وہ کام کئے جو مسلمانوں سے نہ ہو سکے جس وقت اردو شاعروں کا ایک مبسوط مکمل اور مفصل تذکرہ لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تو وہ لالہ سری رام صاحب نے خم خانہ جاوید نام سے لکھا۔ کوئی مسلمان نہ لکھہ سکا جب اردو لٹریچر کی تفصیلی تاریخ مرتب کرنے کا وقت آیا تو اسے رائے بہادر رام بابو سکسینہ نے انجام دیا کوئی مسلمان آگے نہ آیا یہہ حقیقت کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ جس قدر ضخیم جس قدر ٹھوس اور جس قدر خاص عظیم الشان نمبر اردو زبان میں رسالہ رہنمائے تعلیم نے پیش کئے اتنے طول اور عرض ہند میں مسلمانوں کا کوئی رسالہ پیش نہیں کر سکا حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ رسالہ کا مالک مسلمان نہیں بلکہ ایک سکھہ ہے پھر یہہ بھی دیکھئے کہ غیر مسلم ہونے کے باوجود رسالہ رہنمائے تعلیم جس قدر طول طویل عرصہ یعنی نصف صدی سے برابر اور مسلسل اردو کی خدمت کر رہا ہے کیا اس کے مقابلہ میں شمالی یا جنوبی ہند یا مشرقی اور مغربی پاکستان کا کوئی پرچہ مسلمانوں کا پیش کیا جا سکتا ہے واقعہ یہہ ہے کہ ایک بھی نہیں آپ یہہ معلوم کر کے خوش ہوں گے کہ بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب نے رہنمائے تعلیم کا جوبلی نمبر ۵۰۰ صفحہ کا ضخیم اور سوا سو کے قریب تصاویر اور رنگا رنگ کی طباعت سے مزین تھا جب دیکھا تو وہ حیران رہ گئے اس وقت انہوں نے اپنے سہ ماہی رسالہ اردو میں تبصرہ کرتے ہوئے یہہ لکھا تھا کہ شمالی ہندوستان میں ایک غیر مسلم اردو زبان کی وہ ان تھک کوشش اور خدمت کر رہا ہے کہ کوئی مسلمان رسالہ اس کا لگا نہیں کیا سکتا ان کا اشارہ آپ کے سامنے کھڑے بھیم جگت سنگھہ کی طرف تھا۔

پس اس حقیقت کی موجودگی میں یہہ بات اس طرح صحیح ثابت ہو سکتی ہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے اور اس لئے اسے ترک کر دینا چاہئے اور اسے دیس نکالا ملنا چاہئے۔

پرمالیا کے لئے کچھہ تو خود فرمائیں جس زبان کو ہندو مولفین ہندو سکھہ مصنفین ہندو انشا پردازوں اور ادیبوں نے اپنے خون سے سینچا ہو اور جس کی آبیاری میں اپنا پسینہ بہایا ہو اور جس کو ترقی دینے میں بے انتہا محنت اور جانفشانی کی ہو اس کو ایک غلط خیال کے ماتحت ہم چھوڑ کر بیٹھہ جائیں تو یہہ ان ہندو سکھہ ادیبوں سے کس قدر نا انصافی ہوگی اور ہم ان پر کتنا ظلم کرنے والے ہوں گے جو ادیب اپنی یہہ نشانی اور یادگار چھوڑ گئے ہیں ہمیں چاہئیے کہ ہم اسے چھاتی سے لگائیں اور اس سے پوری پوری محبت کریں نہ یہہ کہ ہم نفرت کے ساتھہ اسے اٹھا کر پھینک دیں اور ان بچاروں کی ساری محنت پر پانی پھیر دیں اس سے زیادہ انیائے اور ظلم کیا ہو گا۔

ہم یہہ نہیں کہتے کہ ہندی کو پروان نہ چڑھایا جائے بے شک اس کی سرپرستی کی جائے۔ بےشک اسے ترقی دی جائے۔ مگر سوال یہہ ہے کہ ہندی کا گھر بسانے میں اردو کا گھر اجاڑا کیوں نذر آتش کیا جائے اور ایک زبان کو زندہ کرنے میں دوسری کا گلا کیوں گھونٹا جائے اس موقعہ پر مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا کسی شاعر نے خواہ مذاق ہی کیا ہو مگر عاشقان ہندی کی دلچسپی کے لئے اس کے یہہ دو شعر انکی خورسندی کا موجب ضرور ہوں گے۔ سنئے

ہندیو! تم کبھی ہندی کے مخالف نہ ہو
بعد مرنے کے کھلے گا کہ یہہ ہے کام کی بات
لکھا تھا نامہ اعمال مرا ہندی میں
کوئی پڑھہ ہی نہ سکا مل گئی فوراً ہی نجات

یاد رکھو جبر اور سختی سے کوئی زبان تباہ اور برباد نہیں ہوا کرتی اور نہ ہی آج تک کسی مہذب ملک اور حکومت نے ایسا کیا ہے اگر ہم نے ایسا کیا تو اس سے سوائے نقصان کے کوئی فائدہ ہمیں نہیں پہونچے گا اور آئندہ زمانہ کا مورخ ہماری کوششوں کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھے گا۔ اردو ہمارے کاروبار میں ہماری بول چال میں ہماری معاشرت میں، ہمارے لٹریچر میں اور ہمارے نجی اور قومی معاملات میں اس زیادتی کے ساتھ داخل ہو چکی ہے کہ بظاہر اب اس کا نکلنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اگر ہم اردو ایسی میٹھی ہر دل عزیز اور ہمہ گیر زبان کو نکالنے اور خارج کرنے کی کوشش کریں گے تو سیکڑوں برس کی اپنی تہذیب، تمدن اور شائستگی کا ستیا ناس کر کے رکھ دیں گے اور ہمارے بزرگوں نے جو محل بڑی محنت، بڑے شوق اور بڑی لیاقت سے تعمیر کیا تھا اس کو ڈھانے والے ہیں گے اس صورت میں یہ کوشش تخریبی ہوگی۔ تعمیری نہیں، سوچو تو سہی کہ اردو کو مٹانے میں ہمارے ہاتھ کیا آئے گا۔ سوائے اس کے کہ ہمارے ادیبوں نے جو اعلیٰ پایہ کی کتابیں بڑی محنت سے لکھی ہیں وہ ہمارے لئے بالکل اجنبی ہو کر رہ جائیں اور ہمارے لئے بجائے فائدہ پہونچانے کے بالکل بیکار ہو جائیں۔

اردو کو باقی رکھنے میں ہمارا ذرا سا بھی نقصان نہیں مگر اس کے مٹانے میں نقصان ہی نقصان ہے۔

پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ یہ امر ہمارے اختیار میں بھی نہیں۔ اردو ہماری معاشرت میں کچھ اس طرح رچ گئی ہے کہ ہمارے نکالے اب وہ ہرگز نہیں نکل سکتی۔ پھر جو مسلمان بھارت میں آباد ہیں اور جنہوں نے اس کو اپنا وطن تسلیم کر لیا ہے ان کے ساتھ معاملہ کرنے میں ضروری ہے کہ ہم اردو کا استعمال کریں ورنہ ہمیں کاروبار کی مشکلات لازمی طور سے پیش آئیں گی۔ یہ خیال کہ بھارتی مسلمان ایک وقت کلیتاً ہندی اختیار کر لیں گے اور اردو کو بالکل چھوڑ دیں گے اور اسے اصلاً بھول جائیں گے بالکل غلط خیال ہے کیا ہزاروں سال گذرنے کے بعد بھی ہندو سنسکرت زبان کو بھولے ہیں؟ جو مسلمان اردو بھول جائیں گے۔ مسلمان ہی اردو کو کیا بھولیں گے میں کہتا ہوں کہ وہ کروڑوں ہندو جن کی مادری زبان اردو ہے وہ بھی کبھی اردو کو نہیں بھولیں گے خواہ وہ ہندی کی کتنی حمایت کریں۔ خوب یاد رکھو اپنی زبان اور اپنے وطن کی محبت کبھی انسان کے دل سے نہیں نکل سکتی خواہ اس پر ہزاروں سال گذر جائیں۔ بس نہ مسلمان اپنی زبان کو کبھی بھولیں گے اور نہ وہ ہندو جن کی مادری زبان اردو ہے اور اس کی مخالفت میں جو بھی کوشش کی جائیں گی وہ یقیناً ناکامیاب ہوں گی کیونکہ وہ کوشش فطرت کے خلاف ہونگی حقیقت یہ ہے کہ اردو میں خود بڑھنے اور ترقی کرنے کی حیرت انگیز صلاحیت ہے۔ مخالف حالات میں بھی وہ برابر ترقی کرتی رہی۔ اس بات کے پیش نظر اس کا مستقبل شاندار نظر آتا ہے۔ اور اسے ہرگز زوال نہیں ہوگا۔ گھبرانے اور مایوس ہونے کی ضرورت نہیں

حسرت کا اثر تخلصی

(از علامہ انور صابری صاحب)

حافظہ اگر قوی ہو تو بچپن کی سنی ہوئی باتیں بڑھاپے کی آخری منزل تک یاد رہتی ہیں اور فطرت کی سلامتی ان کے تحسین و تقبیح پہلوؤں کی سبق آموزی سے کبھی گریزاں نہیں ہوتی۔

اب سے تقریباً چالیس سال پہلے خدا غریق رحمت کرے مولانا عارف اللہ شاہ صاحب بدایونی نے کلیر شریف کی مسجد میں وعظ کے وقت فرمایا تھا کہ نام۔ خطاب۔ کیفیت اور تخلص

کا اثر انسانی کردار و زندگی پر ضرور پڑتا ہے۔

جب میں مولانا سید فضل الحسن بی اے علیگ موہانی کے بارے میں سوچتا ہوں تو عارف شاہ صاحب کے ارشاد گرامی کی حرف بحرف تصدیق ہو جاتی ہے۔

نہ جانے وہ کونسی منحوس ساعت فکر ہوگی جب اظہار جذبات و خیالات کے منظوم طرز ادا کو اختیار کرتے وقت مولانا موہانی نے اپنا تخلص حسرت رکھا ہوگا۔

مجھے مولانا مرحوم کی خدمت میں نیاز اولین کا شرف غالباً سنہ ۱۹۱۹ع میں حاصل ہوا تھا جب وہ اپنے سیاسی رجحانات و تاثرات کے عنفوان شباب سے ہم کنار تھے۔

یہ ملاقات کانپور میں بساط خانہ والی گلی کے ایک مکان کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر ہوئی تھی نشست گاہ کی عدم موجودگی اور غیر خود دار کی بدولت وہ مجھے گھر کا اندرونی عبرتناک منظر دکھلانے سے احتراز فرما رہے تھے۔

پرانی اور میلی ترکی ٹوپی۔ ٹوٹی ہوئی کمانی کا چشمہ بوسیدہ قسم کی شیروانی اسمیں بھی بٹن پورے نہ تھے شکستہ حال جمپ پاؤں میں۔

یہ تھا ہندوستان کے مایہ ناز رہنما قابل فخر شاعر اور زندہ جاوید رئیس المتغزلین کا حلیہ مبارک آدھ گھنٹے کی گفتگو میں ان کی گرمجوشی لب و لہجہ کی ترشی اور مخلصانہ عزائم کے بیباک انداز بیان سے میں مطلق نہیں گھبرایا۔ انکا ہر لفظ "پر حسرت اور چہرے کا ہر متغیر رنگ پر یاس" تھا۔ لیکن خودداری اور شگفتہ روی کا ساتھ چھوڑنے پر مولانا مطلق قادر نہ تھے۔ یہ جوہر ان کی حسرت انگیز زندگی میں مرتے دم تک رہا۔

میں آج تک بھی یہ فیصلہ نہ کرسکا کہ حسرت کا ادبی اور سیاسی مقام کیا تھا۔ وہ بہ یک وقت سیاسی رہنما بھی تھے۔ باکمال شاعر بھی ترجمان ہم بھی تھے اور حسن طبیعت بھی۔

داغ کی شوخی اور امیر کی متانت کے مکمل امتزاج نے انہیں ان دونوں اساتذہ فن کا منفرد وارث اور کامیاب بقیت السلف بنادیا تھا۔ داغ کے یہاں فن کارانہ بلندی کے ساتھ عوام کے پست ماحول سے متاثر ہونیکی جو خامی تھی مولانا حسرت نے اسے قبول نہیں کیا۔

رومان اور عاکات کی رکیک وضع نگارش کچھ دن کے لئے ابتدائے فکر شعر میں انہوں نے بھی اختیار کی لیکن یہ رنگ ان کی جبلت کے قطعاً خلاف تھا اس لئے جزو طبیعت نہ بن سکا۔ ان کے ایسے اشعار بھی جنمیں بظاہر سرور و مستی۔ شادابی و خوش طبعی کے نقوش ابھرتے نظر آتے تھے کسی خاص اور گہری حسرت خموشی کا پر تو ضرور ہوتے تھے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حسرت نے مشیت کا راز دار دماغ اور اولیا اللہ کا دل پایا تھا۔ انتہائی ترقی پسندانہ احساسات کے باوجود عشق رسول۔ حب وطن اور بزرگان دین سے عقیدت ان کے سینہ پر حسرت میں ہمیشہ موجزن رہی۔

میرے نزدیک غم و حسرت سے لا زندگی سرگرم ستیزہ رہنے کے باوجود جسارت۔ ہمت اور ایماندارانہ جرات انہیں اوصاف حمیدہ کی رہین منت تھی۔ ان کے کلام پر سیر حاصل تبصرہ کا حق تو کسی واقف حضرت نقاد کو ہے انہیں وقت کا بہترین ترقی پسند نبض شناس زمانہ اور باقدرت استاد سمجھتا ہوں۔

فقدان تخصیات کے اسی دور میں حسرت کی پر حسرت موت نے اردو ادب کے قوائے حیات کو مضمحل کر دیا ہے۔ اور میرا یہ بھی خیال ہے کہ اب شاید رہتی دنیا تک دوسرا حسرت پیدا نہ ہو۔

کارکنان قضا و قدر نے حسرت کی رعنائیوں میں انہیں عمر بھر الجھائے رکھا اگر تھوڑی سی فرصت سکون اور امید افزا زندگی ان کو نصیب ہو جاتی تو خواہ سیاسی حیثیت سے نہ سہی علمی ادبی اور شاعرانہ بلندی کے لحاظ سے وہ سرمایۂ نشاط ہمارے لئے فراہم کر جاتے جو شاعران عفت اور امنگ کی قسمت میں بھی نہ لکھا گیا ہو۔

"ساقی"

(از مولانا انور صابری صاحب)

تجھ سے جو تیرا طلبگار نہیں ہے ساقی — قابل فخر وہ میخوار نہیں ہے ساقی

جس کے اندر نہ ہو آمیزش صہبا فطری — مجھ کو وہ جام بھی درکار نہیں ہے ساقی

وہ سوا ہو کے کسی اور کا کیوں ہو کے رہے — عشق کا جذبہ انکار نہیں ہے ساقی

سہل ہو جائے مری مشکل عرفان حیات — تو جو چاہے تو یہ دشوار نہیں ہے ساقی

کیوں نگاہوں میں جنوں کی ہے ابھی خواب خرد — کیا ابھی لغزش بیدار نہیں ہے ساقی

میری نظروں کو سکھا جز ترا اپنے حضور — دل یہ کہ میری طلب بار نہیں ہے ساقی

قابل عفو ہی گو دار ہے تیرا انور — مائل شوخی گفتار نہیں ہے ساقی

میں ان سے یوں تو متعدد مرتبہ ملا۔ لیکن سب سے زیادہ درد انگیز وہ آخری زیارت تھی جو مرنے سے چند دن قبل لکھنؤ میں ہوئی اس وقت بھی حسرت سراپا حسرت ہی تھے زبان میں قوت گویائی نہیں تھی لیکن پر نور اور باوقار آنکھوں میں ان کی زندگی کا سا کہ حسرت و یاس اب بھی جھلک رہا تھا۔

جو حضرات حسرت مرحوم پر کچھ لکھنے کا ارادہ فرمائیں وہ حسرت کی زندگی اور کلام کے مبہم اور گہرے اشاروں کو سمجھنے کی بھی زحمت گوارا کرینگے تو ادب و زندگی کیلئے تحفہ ابد پیش فرما سکیں گے۔ ان اشاروں کو سمجھے بغیر حسرت کی زندگی اور کلام کو سمجھنے کا دعویٰ کرنا کسی حد تک درست نہ ہوگا۔ اس معاملہ میں مجھ سے رائے نہ لیجئے۔

انجمن کی خبریں

مہو چھاؤنی بتاریخ ۲۳ مئی بروز شنبہ انجمن ترقی اردو مہو کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان مشاعرہ زیر صدارت جناب ڈاکٹر ممتاز علی خوشتر گونڈوی منعقد ہوا جسمیں ہندوستان کے مشہور شعراء نے شرکت فرمائی حضرت عمران انصاری۔ سراج بی اے (وحشی رحمانی) قتیل باندوی، صبا افغانی، کامل القریشی، وقار واثقی اور دیگر اندور، اوجین اور کھنڈوہ کے شعراء حضرات نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔

عوام کا خیال ہے کہ مہو کی تاریخ میں اتنا شاندار اجتماع کبھی نہیں ہوا۔ مشاعرہ کا اختتام تقریباً ۲ بجے شب ہوا۔ بعد ازاں صدر انجمن نے تمام شعراء و حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اردو زبان کی مہو میں ترقی پر زور دیا۔

گوپامئو ضلع ہردوئی بعض مخصوص اراکین انجمن ترقی اردو کے اصرار پر ایک غیر طرحی مشاعرہ جناب عرشی صاحب لکچرر امیر الدولہ اسلامیہ کالج کی زیر صدارت بتاریخ ۷ جون سنہ ۱۹۵۱ ع جناب مسکین صاحب کے مکان پر ۱۰ بجے شب کو بسلسلہ عرس شریف حضرت مخدوم امیر الدین سرخ اور جناب شاہ حبیب اللہ فاروقی منعقد ہوا جو نہایت کامیابی کے ساتھ جاری رہکر ۲ بجے شب کو ختم ہوا۔ قریب قریب کل مقامی شعراء نے شرکت فرمائی۔

اپنے دیس کی خبریں

کلیان زیر اہتمام بزم فروغ ادب کلیان حسب اعلان ایک عام مشاعرہ ۲۸ مئی سنہ ۱۹۵۱ ع کی شب میں زیر صدارت عالیجناب راجندر سنگھ بیدی ایک عام مشاعرہ منعقد ہوا۔ خطبہ صدارت کے بعد جناب آصف شاہمیری نے اس سے متعلق ایک مختصر سا مضمون پڑھ کر سنایا۔

جناب سردار جعفری، جناب ظ انصاری اور جناب مسعود صدیقی نے بعنوان امن عالم پر اپنی پر مغز تقاریر سے عوام کو محظوظ فرمایا۔ جناب عطار حسین فقیہ نے مولانا حسرت موہانی کی وفات حسرت آیات پر دلی افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ایک تعزیتی تجویز پیش کی جو اتفاق رائے سے منظور ہوئی۔ حاضرین اور مقرروں نے ایک منٹ کھڑے ہو کر اپنے رنج وغم کا اظہار کیا۔

اس کے بعد مشاعرہ کا پروگرام شروع ہوا جس کی ابتدا ایک نونہال یوسف بھیونڈوی کی نظم سے ہوئی جس میں جناب عابد گلریز، جناب نیاز حیدر، جناب سردار جعفری، جناب کیفی اعظمی، جناب علاؤالدین صابر، جناب باقر ز، جناب مضطر اعظمی، جناب فیضی نظام پوری اور مس خیر النساء سلمہا کے علاوہ اور بھی بھیونڈی اور بمبئی کے مشہور شعراء کرام نے حصہ لیا۔

اس عظیم مشاعرہ کی کامیابی کے لئے چند پیغامات بھی موصول ہوئے تھے جس میں خصوصیت کے ساتھ حاجی عابد صاحب روحے رکن مجلس عاملہ کانگریس کمیٹی کا پیغام قابل ذکر تھا۔

یہ امن و آشتی کی محفل تقریباً دو بجے شب میں برخاست ہوئی۔

کانپور انجمن پیام ادب کانپور کے زیر اہتمام ایک ادبی جلسہ مکان جناب اظہر حسین حیدری منعقد ہوا جلسہ کی صدارت جناب رحیم الحسن صدیقی نے فرمائی۔ سب سے پہلے عزیز الرحمن ربانی انجمن کا مقصد و دستور العمل بیان کرتے ہوئے "حسرت لائبریری" کے قیام پر روشنی ڈالی۔ جناب ریاض صدیقی نے لائبریری کے قیام کی پرزور تائید فرمائی۔ آپ کے بعد شری مہدی لال صبا نے مولانا حسرت موہانی مرحوم کی ذات گرامی کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا پھر رگھوناتھ سنگھ نے اپنے خیالات ظاہر کئے۔

انجمن کی جانب سے سمیع الدین روح فاروقی نے ایک مختصر تقریر کی اور اظہر حسین حیدری نے ایک نظم پیش کی جو کافی پسند کی گئی۔

پھولی ضلع غازی پور ہند پبلک لائبریری موضع پھولی ڈاکخانہ دلدار نگر ضلع غازی پور کا ایک اہم جلسہ انتخابیہ مورخہ ۲۰ مئی سنہ ۱۹۵۱ع کو بصدارت جناب چودھری چراغ علی صاحب انیم منعقد ہوا۔ جناب چودھری محمد شمس الہدیٰ صاحب نے تحفظ اردو کے موضوع پر ایک فصیح و بلیغ تقریر ارشاد فرمائی اور جناب فاضل صدر جلسہ نے عوام سے اپیل کی کہ وہ کتب خانہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا کر اپنے مستقبل کو روشن فرمائیں و نیز زبان اردو کے تحفظ اور ارتقاء کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔ کتب خانہ ہذا اس دیہات میں یکم اپریل ۱۹۳۴ع سے قائم ہو کر زبان اردو کی بیش بہا اور اہم خدمات انجام دے رہا ہے اس وقت کتب خانہ کے پاس تقریباً ایک ہزار کتابیں اور ایک ہزار سے زائد نئے اور پرانے اردو رسائل موجود ہیں۔ تین روزنامے اردو ہندی اور انگریزی علاوہ متعدد جرائد و رسائل ہفتہ وار و ماہوار بڑی پابندی وقت کے ساتھ منگائے جاتے ہیں۔ لائبریری کے ساتھ ساتھ بچوں کے تفریح طبع و جسمانی صحت کے لئے کھیل کا بھی مکمل بندوبست ہے۔

سال رواں کے لئے حسب ذیل عہدہ داران کا انتخاب عمل میں آیا۔

۱- صدر چودھری مصطفیٰ الدین۔ ۲- نائب صدر محمد عبد اللہ انصاری۔ ۳- جنرل سکریٹری محمد بدیع الزمان انصاری۔ ۴- سکریٹری محمد قمر الہدیٰ صدیقی۔ ۵- منیجر محمد شمیم صدیقی۔ ۶- آڈیٹر و خزانچی چودھری محمد شمس الہدیٰ ۷- لائبریرین محمد منور الہدیٰ ۸- کپتان (کھیل) چودھری شمس الدین احمد صدیقی۔

محمد قمر الہدیٰ صدیقی
سکریٹری ہند پبلک لائبریری پھولی
ضلع غازی پور

بہار ریاستی اردو کانفرنس

بہار ریاستی اردو کانفرنس کے خطبۂ صدارت کا اقتباس اور مختصر روداد ہم یکم جون کے پرچے میں شایع کر چکے ہیں۔ کانفرنس کی نمایاں کامیابی اور اس کی اہمیت اس کی متقاضی ہے کہ تفصیلی روداد شائع کی جائے۔ اس لئے اگلے پرچے میں کانفرنس کی مفصل کارروائی شایع کی جائیگی یہہ پرچہ ۱۵ جولائی اور یکم اگست کا مشترکہ پرچہ ہوگا اور "بہار ریاستی اردو کانفرنس نمبر" کہلائیگا۔

(اڈیٹر)

توسیع ادب کا مشاعرہ

لکھنؤ ۹ جون عبدالحق خان صاحب ہلال ناظم نشر و اشاعت ادارہ توسیع ادب لکھنؤ مطلع کرتے ہیں کہ گذشتہ دو شنبہ کی شب ایک مشاعرہ سردار عبدالرشید خان صاحب قمر کی نگرانی اور سردار احسان احمد خان صاحب جمیل خالدی کی صدارت میں شری بشن جی بوری رئیس اعظم بھاول پور کے دولت کدے واقع ۹ ونڈسر پیلس متصل گورنمنٹ ہاوس پر ٹھیک ۹ بجے منعقد ہوا جس میں کافی شعرا نے شرکت کی معززین شہر بڑی تعداد میں شریک تھے۔ شعراء اور سامعین کی تواضع چائے پان اور سگرٹ وغیرہ سے کی گئی مشاعرہ کا اختتام رات کے تقریباً ۲ بجے عبدالرشید خان کی ایک تقریر کے بعد ہوا۔ آخر میں جناب بشن جی بوری نے شعراء اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور اردو زبان کی ہمہ گیری کو سراہا۔

حیدرآباد

حیدرآباد۔ ۱۰ جون۔ اردو زبان میں نئے علوم و فنون کی کتابوں کا ذخیرہ بڑھانے کی غرض سے انجمن ترقی اردو حیدرآباد نے ایک خاص اسکیم تیار کی ہے اس اسکیم کا تعلق خاصکر سیاسیات، معاشیات، نفسیات، مالیات جیسے سماجی علوم سے ہے۔ تجویز یہہ ہے کہ دو دو سو ڈھائی ڈھائی سو صفحوں کی چھوٹی چھوٹی کتابیں ان فنون کے ماہرین سے لکھوائی جائیں، اور کوشش یہہ کی جارہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے ان کتابوں کی زبان آسان اور ان کا طرز بیان عام فہم ہو لکھائی چھپائی سائز اور صفحوں کی تعداد میں بھی یکسانیت قایم رکھنے کی کوشش کی جائے گی اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جائے گا۔ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے ان کتابوں کی قیمتیں کم سے کم رکھی جائیں۔

ضروری اطلاع

۱۰ جولائی کا پرچہ شایع نہیں ہوگا۔ ۱۵ اور یکم کا پرچہ ایک ساتھ بہار ریاستی اردو کانفرنس نمبر کے نام سے شایع ہوگا۔

ایجنٹ اور خریدار صاحبان ۱۰ جولائی کے پرچے کا انتظار نہ فرمائیں۔

منیجر

نئی کتابیں

اقبال کی شاعری

مرتبہ عبدالمالک آروی صاحب ادارہ طاقستان آرہ (بہار) (قیمت غیر مجلد پانچ روپیہ)

یہ کتاب در حقیقت مولانا عبدالمالک صاحب آروی کی علمی تحقیق اور ادبی ذوق کا ایک اعلیٰ شاہکار ہے۔ اس وقت تک اس کتاب کے تین اڈیشن شایع ہو چکے ہیں۔ کتاب کا پہلا اڈیشن صرف ایک مقالہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ دوسرے اڈیشن نے کتاب کی شکل اختیار کر لی۔ لیکن تیسرا اڈیشن صرف علامہ اقبال کی شاعری پر کوئی تبصرہ ہی نہیں بلکہ ان کی زندگی ان کی شاعری ان کا فلسفہ اور ان کے سیاسی نظریات پر ایک جامع تصنیف ہے اور علامہ اقبال کے کلام کے انتخاب کے علاوہ کتاب ایک سو ایک عنوانات پر مشتمل ہے۔ اور ان عنوانات کے ماتحت اقبال کی شاعری اور آن کے کلام کے محاسن اور آن کے نظریات اور آن کے فلسفہ پر ایک گہری نظر ڈالی گئی ہے اس کے سوا اقبالیات کے ماہر صوبہ بہار کے مشہور فاضل ڈاکٹر سچدانند سنہا کی انگریزی کتاب "اقبال شاعر اور اس کا پیغام" سے اقبال کے متعلق جو غلط فہمیاں عام ہوتی جا رہی تھیں، اس کا نہایت مدلل جواب دیا گیا ہے۔ اور یہ مولوی عبدالمالک صاحب آروی کا اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ جس کو اقبالیات سے ذوق رکھنے والے طالب علم کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اور یہی حصہ اس کتاب کی جان ہے۔

طریق استدلال پسندیدہ ہے۔ زبان نہایت صاف ستھری البتہ کتابت و طباعت ایسی ہوئی ہے۔ پھر بھی طباعت ایسی نہیں کہ جس پر اب کشائی کی جا سکے۔ مگر ضرورت تھی کہ یہ کتاب نہایت اعلیٰ کتابت اور طباعت کا نمونہ ہوتی تاکہ ڈاکٹر سنہا کی کتاب کے ساتھ رکھی جا سکتی لیکن

کتاب اپنی ظاہری شکل میں تہہ صحیح اپنی جامعیت اور معنویت کے اعتبار سے اس قابل ضرور ہے۔ کہ اس کا مطالعہ ضرور کیا جائے اور علامہ اقبال کے سلسلہ میں جہاں روح اقبال "حیات اقبال"، "سیرت اقبال"، "تعلیمات اقبال" اور اقبال کامل "کو جگہ دی جاتی ہے وہاں اقبال کی شاعری کو بھی جگہ دی جائے۔

انیس کی مرثیہ نگاری مصنفہ جعفر علی خان صاحب اثر۔ دانش محل امین الدولہ پارک لکھنو۔ قیمت غیر مجلد دو روپیہ

یہہ کتاب پروفیسر احسن فاروقی کے اس علمی اور تحقیقی مقالے کا جواب ہے۔ جو رسالہ نگار ماہ ستمبر و اکتوبر سنہ ۱۹۴۹ ع میں زیر عنوان "مرثیہ نگاری اور میر انیس" شایع ہو چکا ہے۔ اس مقالے میں فاروقی صاحب نے میر انیس کے کلام پر نہایت اچھے انداز میں تنقید کی تھی۔ اور ان کے کلام کے محاسن اور معایب پر نظر ڈالی تھی۔ لیکن وہ تنقید نظریاتی اختلاف کی حامل تھی۔ اس حقیقت کے پیش نظر نواب جعفر علی خان اثر نے ایک خاص نقطہ نظر سے اس کا جواب تحریر فرمایا ہے۔ جو میر انیس کے ان مداحوں کے لئیے۔ جو میر صاحب کو مثل شیکسپیر اور ہومر اور فردوسی کا ہم پایہ سمجھتے ہیں ایک قابل قدر تصنیف اور بلند پایہ دستاویز ہے اس کتاب میں حضرت اثر لکھنوی نے ان معقول دلایل اور اصولی تنقید و جرح کی تنقید کی کوشش کی ہے کہ جس کو ایک دیانت دار انسان کی حیثیت سے بغیر کسی خیال کے قبول کر لینا چاہئیے۔ اور اس کا سبب نواب صاحب کی میر انیس سے حسن عقیدت ہے۔

لیکن پھر بھی کتاب مجموعی اعتبار سے اس قابل ہے کہ اس کو ضرور پڑھا جائے۔ اور مرثیہ نگاری نے زبان و ادب کی جو خدمت انجام دی ہے اس سے واقفیت حاصل کی جائے۔

(م-ی-خ)

آج سے قبل کا ہندوستان

مصنف ـــــ ڈاکٹر سید محمود

پبلشر ـــــ نظامی پریس بدایوں

قیمت ـــــ دو روپے

آج سے قبل کا ہندوستان ڈاکٹر سید محمود صاحب کی ایک تاریخی تصنیف ہے جو انہوں نے سنہ ۱۹۲۲ ع میں قید فرنگ کے زمانے میں لکھی تھی۔ اس کتاب کا مقصد ان مورخین کی تردید ہے جنہوں نے اپنی مصلحت کی بنا پر تاریخ کو مسخ کر کے پیش کیا ہے اور اس طرح ہماری نسل کے نوجوانوں میں وہ زہر سرایت کر جاتا ہے جس کی بنا پر وہ اپنے مذہب اور اپنی قوم سے نفرت کرنے لگتے ہیں کیونکہ انہیں مسلمانوں کی گذشتہ تاریخ خون چکاں واقعات سے بھری ہوئی نظر آتی ہے اور قدم قدم پر تعصب ظلم اور ناانصافی کے مناظر دکھائی دیتے ہیں انگریزوں نے ہندستانیوں کی ذہنیت بدلنے اور ہندو مسلم تفریق کے لئے سب سے پہلے یہی حربہ استعمال کیا تھا۔ ڈاکٹر سید محمود صاحب کی اس کتاب نے زمانہ خلافت میں ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں بہت بڑا رول ادا کیا ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہہ ہے کہ یہہ خشک تاریخ کی کتاب نہیں ہے بلکہ تاریخ کو ڈرامائی انداز میں اور مکالموں کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح یہہ عام دل چسپی کی چیز بن گئی ہے۔ آج جبکہ نے ہندستان کی تعمیر میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک رشتے میں منسلک ہو کر جد و جہد کرنا ہے اس وقت اس کتاب کی اشاعت وقت کی اہم چیز ہے۔ نظامی پریس بدایوں مبارکباد کا مستحق ہے کہ وہ ان منتشر اوراق کو جو اخبار خلافت کے کالموں میں دفن تھے برآمد کر کے عوام کے سامنے لایا۔ یہہ خدمت سیاسی اور علمی ہر اعتبار سے اہم اور لایق تحسین ہے۔

(خ-ب)

رعنائیاں

مصنف ——— برج لال چکی رعنا
ناشر ——— مکتبہ شان ہند دہلی
قیمت ——— ایک روپیہ آٹھ آنے

برج لال رعنا کا نام ابھی چند دنوں سے کانوں میں پڑا ہے۔ سنہ ۱۹۴۷ ع کے انقلاب نے دہلی کی بزم کو برہم تو کیا لیکن دیکھتے دیکھتے یہ بزم ایک نئے طرز سے آراستہ ہو گئی مومن غالب اور ذوق کی محفل میں جلنے والی جو شمع خاموش ہو چکی تھی وہ نئے پروانوں کا ذوق جاں نثاری دیکھ کر پھر جل اٹھی۔ انھیں نئے پروانوں میں رعنا بھی ہیں۔ ان کے تخلص کی طرح ان کے کلام میں بھی وہی رچاؤ، خوب صورتی اور رعنائی ہے جو آج کل نوجوان شعرا کے یہاں شاذ و نادر ہی مل سکتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رعنا جو کچھ کہتے ہیں۔ سوچ سمجھ کر کہتے ہیں، فن کے تمام لوازمات کا خیال رکھتے ہیں اور آرٹ کے جملہ آداب و رسوم کو برتنے میں کوتاہی نہیں کرتے اسی لئے ان کا مستقبل تابناک ہے۔

رعنائیاں اپنے اندر غزل، نظم، رباعی ہر طرح کے جلووں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ ان کی نظموں میں شگفتگی بدرجہ اتم موجود ہے، انداز بیان اور تراکیب کے استعمال پر بھی قدرت ہے۔ آئندہ توقع ہے کہ خیالات میں بھی بلندی اور گہرائی پیدا ہو گی، رباعی میں رعنا کو خاص طور پر کامیابی ہوئی ہے اور بقول جناب جوش انھوں نے نوجوانی ہی میں اس غزال رمیدہ کو گرفتار کر لیا ہے جس کو عام شعراء چالیس پچاس کی عمر میں بھی اپنے قابو میں نہیں کر پاتے۔ ان کی رباعیات میں کہیں کہیں تو وہ شعلہ لپک اٹھتا ہے جو صرف عہد حاضر ہی کے ایک شاعر کے یہاں مل سکتا ہے۔ اس رباعی نے خاص طور پر مجھے چونکا یا۔

شعلے ہیں کہیں اور کہیں ہیں طوفان
آفات میں مبتلا ہے بے بس انسان
شیطان کو سونپ کر نظام عالم
فردوس میں سو رہا ہے شاید یزدان

بظاہر اس کو لوگ ایک باغیانہ جسارت سمجھیں گے لیکن "شاید" کا لفظ استعمال کر کے شاعر نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ دور حاضر کے انسان کے ذہنی انتشار کی ترجمانی ہے۔
ان کی غزلوں میں بھی نئے شعور کی جھلک موجود ہے۔

رہ طلب کے سفر میں رعنا سکوں ہے خواب خیال یکسر
قدم قدم ٹھوکریں لگیں گی، نفس نفس برھمی ملے گی

ہر کلی میں ہے کلی، ہر پھول میں پژمردگی
ہر خزاں کو ہم بہار جاوداں کیسے کہیں؟

میں اور تماشائے گل و رنگ پر مائل
کھویا ہوا ایک ذوق نظر ڈھونڈ رہا ہوں

بحیثیت مجموعی یہ کتاب اپنے اندر بہت تنوع اور حسن رکھتی ہے اور خاص توجہ کی مستحق ہے۔

(ح - ب)

گاندھی جی بادشاہ خان کے دیس میں

مترجمہ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر دہلی

قیمت فی جلد تین روپیہ

یہ کتاب پیارے لال صاحب پرائیوٹ سکریٹری مہاتما گاندھی کی اس کتاب کا ترجمہ ہے۔ جو انہوں نے مہاتما جی کے سنہ ۱۹۳۸ع کے سفر صوبہ سرحد کے متعلق لکھی تھی۔ اس سفر میں مہاتما جی نے پورے صوبہ سرحد کا دورہ خان عبدالغفار خان صاحب کی معیت میں کیا تھا اور سرحد کے بہادر اور غیور پٹھانوں کے سامنے عدم تشدد کا فلسفہ پیش کیا تھا۔ سرحد کے پٹھانوں نے اس فلسفہ کو کس حد تک قبول کیا اس کے متعلق تو کوئی رائے نہیں دی جا سکتی لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ مہاتما گاندھی کا یہ سفر مجموعی اعتبار سے نہایت کامیاب سفر تھا اس کتاب میں وہ ساری تقریریں بھی موجود ہیں۔ اور جگہ جگہ کتاب کی اہمیت بڑھانے کے لئے مختلف تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ اس کتاب کے بلند پایہ ہونے کے لئے ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب کا نام کافی ہے جن کو قدرت نے زبان پر کافی عبور عطا فرمایا ہے اور جن کو ترجمہ کرنے کا ایک خاص ملکہ بھی حاصل ہے۔ کتابت طباعت نہایت اعلیٰ ہے اور کتاب ایک حسین ڈسٹ کور سے مزین ہے جس میں خان عبدالغفار خان صاحب اور مہاتما گاندھی کی تصویر بھی ہے۔ اس کے علاوہ یہ کتاب ایک تاریخی دور کی یادگار بھی ہے جس کا مطالعہ تاریخ کے طالبعلموں و ملک کے سیاسی سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ضروری ہے۔

(ا - ی - ع)

باہتمام عزیز حسین منیجر مسلم یونیورسٹی پریس میں چھپا اور قاضی عبدالغفار صاحب پبلشر نے صدر دفتر انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا۔